Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

فسانہ آزاد میں سماجی و تاریخی کشمکش کا تجزیاتی مطالعہ

اسامہ منور

پی ایچ۔ڈی اُردو اسکالر، شعبہ اُردو

مسلم یوتھ یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر محمد افضال بٹ

صدرِ شعبہ اُردو

گورنمنٹ کالج برائے خواتین یونیورسٹی، سیالکوٹ

Abstract:

Fisana Azad is the epitome of the era of Urdu novel writing written by Pandit Ratnath Sarsar Kashmiri. In fact, this novel was written in 1878 and initially it was published in installments under the title "Zarafat" in the Oudh newspaper of Lucknow, then in 1880 it was first published in book form by Munshi Noel Kishore Lucknow. This book has the status of a classic in Urdu literature and is popular even after a hundred and fifty years.

Keyword:

فسانہ آزاد، پنڈت رتن ناتھ، لکھنؤ، کہسار، جام سرشار

''فسانہ آزاد'' اردو کے افسانوی ادب میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔اسے جو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی، وہ اردو کی کم کتابوں کو حاصل ہوئی ۔اسے پنڈت رتن ناتھ سرشار کے فن کی معراج کہنا بے جا نہ ہوگا۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار(1845ء- 1902ء) کشمیری برہمن تھے اور بہ سلسلہ تجارت ان کے آباؤاجداد کشمیر سے لکھنؤ آکر بس گئے تھے۔ سرشار لکھنؤ ہی میں پیدا ہوئے۔ یہ امجد علی شاہ کی نوابی کا زمانہ تھا۔ بچپن ہی میں رتن ناتھ سرشار یتیم ہو گئے۔والدہ نے ان کی پرورش کی۔ سرشار اپنے محلے کے مسلمان شرفا کے گھروں میں آزادی سے آتے جاتے تھے۔ان کے کردار کی تعمیر زبان و تہذیب کے اسی گہوارے میں ہوئی۔ان کی تصانیف میں روزمرہ خصوصاً عورتوں کی زبان اور محاورات پر جس بے پناہ قدرت کا

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ثبوت ملتا ہے وہ قدیم لکھنؤ کی معاشرت سے اسی قربت کا ثمر ہے۔ اردو تو خیر ان کی مادری زبان تھی۔ مدرسہ میں انھوں نے دستور کے مطابق فارسی اور عربی کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ پھر اسکول کی تعلیم ختم کرکے سرشارؔ نے لکھنؤ کے مشہور کیننگ کالج میں داخلہ لیا لیکن بعض نامساعد حالات کی بنا پر تعلیم ادھوری چھوڑ کر ملازمت اختیار کرنا پڑی اور لکھنؤ سے دور ضلع کھیری میں مدرسی کی ملازمت شروع کردی۔

اسی زمانہ میں اردو میں نئے نئے اخبارات و رسائل جاری ہو رہے تھے۔ سرشار کر بھی ملازمت کے ساتھ تصنیف و ترجمہ کا کام کرنے لگے۔ اودھ پنچ، مراسلۂ کشمیر اور دوسرے اخبارات میں ان کے متعدد مضامین شائع ہوئے۔ ان کے کام کی شہرت سن کر منشی نول کشور نے اپنے اخبار ''اودھ اخبار'' کی ادارت کا کام انھیں سونپ دیا۔ 1878ء سے انھوں نے یہ ذمہ داری سنبھالی اور اسی اخبار میں اپنا قصہ ''فسانہ آزاد'' قسط وار شائع کیا۔ ان کے دوسرے متعدد ناول بھی اسی اخبار میں شائع ہوئے۔ 1895ء سے اپنی وفات تک وہ حیدر آباد میں رہے۔ یہاں مہاراجہ کشن پرشاد ان کے سرپرست تھے۔ قیام حیدر آباد کے دوران میں وہ دوسرے تصنیفی مشاغل کے علاوہ ایک رسالہ ''دبدبۂ آصفی'' کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ یہیں 1902ء میں ان کا انتقال ہوا۔

پنڈت رتن ناتھ سرشارؔ بے حد ذکی الحس، ذہین و فطین اور خوش طبع انسان تھے۔ ان کی شخصیت ملی جلی ہندوستانی تہذیب کا نمونہ تھی۔ زندہ دلی، آزادہ روی، شوخی اور بانکپن ان کے مزاج کا خاصہ تھی۔ وسیع المشربی، رواداری، روشن خیالی اور ظرافت ان کے کردار کے ایسے اوصاف ہیں جن کا ذکر ان کے کئی احباب اور معاصرین نے کیا ہے۔ ان کی شخصیت کے یہی تابناک پہلو ان کی تصانیف میں بھی روح بن کر دوڑتے ہیں۔ یوں تو سرشارؔ نے طویل اور مختصر آٹھ ناول لکھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے متعدد کتابوں کے تراجم بھی کیے اور نظمیں بھی لکھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا سب سے بڑا کارنامہ افسانہ آزاد ہے۔ فسانہ آزاد سرشارؔ کی پہلی تصنیف ہے۔ اس کے بعد اگرچہ انھوں نے سیر کہسار اور جام سرشار جیسے متعدد ناول لکھے اور ''فسانہ آزاد'' کی بے مثل شہرت کی وجہ سے وہ مقبول بھی ہوئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ناول فسانہ آزاد کی شہرت اور مقبولیت کو نہ پہنچ سکے۔

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

یہ قصہ پہلے منشی نول کشور کے اودھ اخبار، لکھنو میں دسمبر 1878ء سے دسمبر 1879ء تک قسط وار شائع ہوا۔اس کے بعد 1880ء میں یہ طویل افسانہ بڑی تقطیع کی چار ضخیم جلدوں میں مطبع نول کشور سے طبع ہوا۔اس وقت سے اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔''فسانہ آزاد'' کی امتیازی حیثیت اور ہمہ گیر مقبولیت کے یوں تو بہت سے پہلو ہیں لیکن نوابی عہد کے لکھنو کی انحطاط پذیر معاشرت کی مصوری، اس کی اچھوتی ظرافت، اور لکھنؤ کی بامحاورہ ٹکسالی زبان کے فن کارانہ استعمال کو سرشارؔ کے کمال فن کا جوہر کہا جا سکتا ہے۔اردو زبان پر سرشارؔ کی بے پناہ قدرت کی داد کم و بیش سبھی نقادوں اور زبان دانوں نے دی ہے۔یہ اس حاکمانہ قدرت کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے اپنے علم سے لکھنوی معاشرت کا ایسا بے نظیر اور بے لاگ مرقع کھینچ دیا ہے جس میں اس کی پستیوں اور مضحکہ خیز کجیوں اور ناہمواریوں کے ساتھ ساتھ اس کی تہذیبی فتوحات، سماجی اقدار اور دیرینہ شوکت و عظمت کے آثار و علائم بھی زندہ اور متحرک نظر آتے ہیں۔

قصہ کا پلاٹ تو بہت سادہ بلکہ حد درجہ غیر مربوط ہے مگر ڈھائی ہزار گنجان صفحے پڑھتے چلے جایئے کہیں بیزاری نہیں ہو گی بلکہ سطر سطر پر اشتیاق پڑھتا جائے گا محض اس وجہ سے کہ عبارت آرائی غضب کی ہے۔طرز ادا نہایت بے تکلف اور آسان تازہ اور فطری ہے، جابجا پر لطف ظرافت، پھڑکتے ہوئے فقرے، مزیدار شوخیاں، ترکی بہ ترکی جواب، حماقت آمیز مضحک باتیں جن کو پڑھ کر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں گے۔

''فسانہ آزاد'' میں ''آزاد'' اصل قصے کا ہیرو ایک دولت مند نوجوان، دنیادار شخص، بہت حسین اور طرحدار، تعلیم یافتہ، کئی زبانوں سے واقف، سپاہی پیشہ "ظریف، شاعر، عاشق مزاج، لچھے دار باتیں کرنے والا اور ہر اچھی صورت پر مرنے والا۔ ایک طرف اعلیٰ اعلیٰ سوسائٹی سوسائٹی کی زیب و زینت اور دوسری طرف ایک بھٹیاری کا عاشق جان باختہ، بیگمات کو بھی للچائی ہوئی نظروں سے گھورنے والا۔اتفاقاً یہ میاں آزاد ایک حسین دولت مند حسن آرا نام پر عاشق ہو جاتا ہے اس سے عشق بازی کرتا ہے۔آخر وہ ان کے ساتھ اس شرط پر عقد کرنے کے لیے راضی ہوتی ہے کہ پہلے وہ کرتا ہے۔آخر وہ ان کے ساتھ اس شرط پر عقد کرنے کے لیے راضی ہوتی ہے کہ پہلے وہ ترکی جائیں، لشکر اسلام میں نام لکھوائیں، روسیوں سے نبرد آزمائی کریں۔آزاد اپنی معشوقہ کے احکام کی بجاآوری بڑی خوشی سے کرتے ہیں اور ترکی جاتے ہیں اور روسیوں سے لڑتے ہیں کامیاب کامران لوٹتے

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ہیں۔اپنی بہادری اور جانبازی کے بدلے اپنی معشوقہ سے ایفائے عہد چاہتے ہیں اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ ہے اصل قصہ مگر سرشارؔ نے اپنے اسلوب بیان کے ذریعے ایسے طوالت دی ہے۔ اس قصے سے متعلق رام بابو سکندر لکھتے ہیں:

> ''جہاں تک قصہ کے پلاٹ کا تعلق ہے اس سے بہتر اور بے مزہ تر شاید ہی کوئی قصہ انسانی دماغ سے نکلا ہوگا۔ مگر اسی قصہ کو رتن ناتھ کی زبان سے سنیے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک نگار خانہ چین میں چلے جارہے ہیں جس کی دلکشی جیتی جاگتی تصویریں، الفاظ کا جادو، تخیل کی کثرت، مناظر کی چونچالی ایسی ہے کہ جب اس آئینہ خانہ سے گزرتے ہیں تو کچھ یقین، کچھ شک کرتے ہوئے ایک طلسم کوہ ہماری نظروں کے سامنے آجاتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بازیگر نے اپنے کرتبی ڈنڈے سے یہ سارا سماں ہمارے سامنے کھینچ دیا ہے۔''(1)

فسانہ آزاد کو پلاٹ کے تناسب کردار نگاری کے اسلوب اور قصہ کی تدریجی ترقی اور دلچسپی کے لحاظ سے نہ پڑھنا چاہیے۔ اس قصہ میں واقعات کی بہتات ہے بلکہ اصل قصہ کو ایک کھونٹی سمجھنا چاہیے جس پر ہزاروں واقعات لکھے ہوئے ہیں اور انھی علیحدہ علیحدہ واقعات کے پڑھنے میں سارا لطف آتا ہے۔ان کا مذاق و ظرافت، وہ دلچسپ کرداروں کے مکالمے، وہ شوخی و حیرت اور کرداروں کی برجستہ و بر محل حاضر جوابیاں یہی سب کو کتاب کی جانی اور اس کی دلچسپی کو چار چاند لگاتے ہیں۔ سرشار کی مرقع نگاری کے حوالے سے رام یا بو سکسینہ لکھتے ہیں:

> ''سرشار مثل مرزا رجب علی بیگ سرور کے پر تکلف اور مقفیٰ عبارت نہیں پسند کرتے نہ وہ برائیوں کو چھپاتے اور اچھائیوں کو چمکاتے ہیں بلکہ ہو بہو تصویریں کھینچتے ہیں اور علی الخصوص اشخاص لکھنؤ اعلیٰ و ادنی امیر و غریب سب کے بے مثل مرقعے اپنی اس لاجواب کتاب میں کھینچ دیے ہیں۔ ان کے اشخاص قصہ سایہ کی طرح ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں گزرتے، بلکہ وہ ہمارے آپ کی طرح گوشت و پوست کے بنے ہوئے چلتے پھرتے، جیتے جاگتے معلوم ہوتے ہیں۔''(2)

'' فسانہ آزاد'' کی خصوصیات یہ دو چیزیں ہیں۔ لکھنؤ کی اس زمانے کی معاشرت کی ہو بہو تصویر کشی اور شوخی فطرافت۔ سرشارؔ سے قبل اردو ادب میں لکھنؤ کے آخری تمدن اور معاشرت کی صحیح تصویریں اس قدر جزئیات کے ساتھ کبھی نہ کھینچی گئی تھیں۔ سرشارؔ نے فسانہ آزاد میں پرانے رنگ کے نوابوں ان کے افعال و اشغال، ان کے مصاحبوں اور ہم جلیسوں کے سچے نقشے بھیجے ہیں۔ باوصف اس کے کہ وہ ہندو تھے مگر یہ امر حیران کن ہے کہ انھوں نے اس قصے میں مسلمانوں کے بڑے

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

گھرانوں کے اندرونی حالات اور بیگمات کی طرز معاشرت اور بول چال سے پردہ اٹھایا ہے۔ اس قصے کے ذریعے ہم لکھنوی معاشرے کے ہندو اور مسلمان سراؤں کے اندرونی حالات سے آگاہ ہوتے ہیں۔ سرشار کو مختلف پیشہ وروں کی خاص اصطلاحیں، مختلف جماعتوں کی خاص بولیاں اور ان کا طرز ادا، دیہاتی بولی، بیگمات اور ان کی مغلانیوں اور پیش خدمت کی بات چیت بھٹیارے اور بھٹیاری، افیمی، جنڈو باز، شرابی، چوراچکوں کی زبان، دیہاتی گھوکے ٹھاکروں اور پڑھے لکھے لالہ بھائیوں کا طرز تکلم ان سب پر ان کو کامل عبور حاصل ہے۔

رتن ناتھ سرشار کی تصنیف فسانہ آزاد کا بڑا وصف لکھنو کی تہذیب کی عکاسی ہے۔ ان کے اپنے زمانے میں لکھنوی تہذیب میں گنگا اور جمنا کے ملاپ کی سی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ یعنی ایک طرف قدیم زمانہ اپنے جملہ عناصر اور جہات کے ساتھ زندہ تھا اور دوسری طرف نیا زمانہ اس پر اپنے اثرات مرتب کرنے لگا تھا۔ مگر نئے زمانے کے اثرات ابھی زیادہ تر زیر سطح تھے۔ چنانچہ ظاہر کی دنیا میں کم اور باطن کی دنیا میں نئے زمانے کے شواہد زیادہ شدت کے ساتھ نمودار ہوا ہے تھے۔ لکھنوی بدلتی تہذیب کے بارے خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

> ''فسانہ آزاد'' میں سرشار نے لکھنؤ کی تہذیب کی اس گنگا جمنی کیفیت کو آزاد اور خوجی کے کرداروں سے واضح کیا ہے۔ ان میں سے خوجی قدیم کا نمائندہ ہے اور قدیم کی جملہ روایات گویا اس میں مجتمع ہو گئی ہیں اور اس کا مطمع نظر اس کے زمانے کے ایک عام شہری کے مطمح نظر کی ہو بہو تصویر ہے۔ خوجی در حقیقت لکھنوی بانکے کی پیروڈی ہے۔ یہ بانکا اپنی داخلی قوت سے تو محروم ہو چکا ہے لیکن ظاہری طور وہی رکھ رکھاؤ، خودداری اور طبیعت کی تیزی برقرار رکھی ہوئی ہے۔ جو کسی زمانے میں ایک ہندوستانی سورما کا طرہ امتیاز تھی۔''(3)

خوبی کا کردار محض قدیم کی پیداوار ہی نہیں اس کی تحریف بھی ہے۔ یہ قدیم عہد سرشار کے زمانے کے لکھنؤ میں اپنی ظاہری آب و تاب کے ساتھ زندہ تھا۔ لباس، رسوم و اقدار، گفتگو، رہن سہن، تہذیب و ثقافت اور ان سے بھی زیادہ ایک مخصوص زاویہ نگاہ، ان سب باتوں پر لکھنوی تہذیب کے اثرات ثبت تھے۔ یہ لکھنوی تہذیب اس المیے سے فرار اختیار کرنے کی ایک کاوش تھی جس نے مغل سلطنت کے زوال اور اس سے پیدا ہونے والی طوائف الملوکی کے فضا سے جنم لیا تھا۔ اس تہذیب کی داغ بیل اس وقت پڑی جب اودھ کے حکمرانوں نے حقیقت کا سامنا نہ کر سکنے کے باعث اپنی آنکھیں موندے لیں

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

اور ''با بر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' کے مصداق خود کو ماضی اور مستقبل دونوں سے منقطع کر کے حال کے لمحے تک محدود کر لیا۔ جب مستقبل کے خواب نظروں سے اوجھل ہوں اور ماضی کے عروج کی داستان بھی ذہن سے محو ہو جائے تو انسانی اعمال میں انجماد اور قویٰ میں اضمحلال کا نمودار ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ لکھنوی تہذیب دراصل مزاجاً ایک ارضی تہذیب تھی جس میں جسم کی تسکین کا معاملہ ایک فلسفہ حیات اختیار کر گیا تھا۔ اس قسم کے ارضی معاشرے کا مذہب، رسوم عشقیہ سے شہوت پرستی اور جمالیاتی ذوق یا پست قسم کی لذت پرستی میں ڈھل جاتا ہے۔ چنانچہ بہت سی قبیح رسوم جنم لیتی ہیں اور سارا معاشرہ ایک محدود سے خول میں میں سمٹ آتا ہے۔ یہی کچھ لکھنو میں ہوا۔ جب لکھنؤ والوں نے سیاسی اور سماجی انقلاب کی طرف سے آنکھیں میچ کر خود کو ایک چھوٹی سی جنت میں قید کر لیا۔ سرشارؔ کے زمانے میں اس جنت کی آب و تاب ابھی باقی تھی۔ بانکے، پہلوان، پتنگ باز، افیونی، چانڈ باز نواب اور رئیس، بٹیر باز، مشاعرہ باز، بیگمات اور ان کے ملازمین، طوائفیں، ساقتیں، ڈومنیاں اور بھٹیارنیں، یہ سب اس تہذیب ہی کے نمائندے تھے۔ مگر ساتھ ہی نیا زمانہ نئے رجحانات سے لیس ہو کر اور نئے کرداروں کو اپنے جلو میں لیے لکھنوی تہذیب کے قلعے میں داخل ہو چکا تھا۔ چنانچہ فوٹو گرافر، گریجویٹ، کانسٹیبل، سکول کے طلبا، بیرسٹر ،، ٹکٹ بابو، آیائیں، ماسٹرنیاں اور دوسرے کردار بھی جابجا نظر آتے ہیں۔ ہر چند ابھی یہ کردار بہت محدود سطح پر ہیں کہ نئی اور پرانی تہذیب کا امتزاج دکھائی دینے لگتا ہے۔ دراصل سرشار نے ''فسانہ آزاد'' میں اس قدیم اور جدید عہد تہذیبی امتزاج اور کشمکش کے دونوں کرداروں کی مدد سے لکھنوی تہذیب کے اس دور کے رجحانات کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ سرشار نے ان دونوں رجحانات یعنی قدیم اور جدید تہذیب پر طنز کرنے لیے دو طرح کے آئینے استعمال کیے ہیں۔ ایک آئینے میں انھیں ہر شے مضحکہ خیز حد تک چھوٹی نظر آتی ہے اور اس کے لیے انھوں نے خوبی کی علامت کا کام لیا۔ دوسرے میں انھیں ہر شے مضحکہ خیز حد تک دیو قامت دکھائی دی اور یہاں انھوں نے آزاد کو علامت قرار دیا اور یوں ان دونوں کرداروں کا سہارا لے کر ماضی و مستقبل، مشرق و مغرب اور پرانے اور نئے نظام کو بالعموم علیحدہ علیحدہ اور کبھی کبھی متصادم حالت میں پیش کرتے اور پڑھنے والوں کی تفریح طبع کا سامان بہم پہنچاتے رہے۔

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

فسانہ آزاد میں سرشارؔ نے ایک لافانی کردار ''خوجی'' تخلیق کیا ہے۔اس عجیب الخلقت کردار کے متعلق مجموعی طور پر چند باتوں کا اظہار ضروری ہے۔ مثلاً یہ کہ خوبی دراصل علامت ہے ایک زوال پذیر معاشرت کی اور اس میں وہ تمام عناصر جمع ہو گئے ہیں جن کی اس زمانے کے لکھنؤ میں فراوانی تھی۔ بزدلی، چانڈو افیون اور بٹیر بازی کی طرف رجحان، لاف زنی، بیکاری، بدمعاشی، عافیت کوشی اور تن آسانی یہ تمام عیوب خوبی کے کردار میں ملتے ہیں ۔پس جس وقت سرشارؔ خوجی کا مذاق اڑاتا ہے اور دوسروں کو اس ہنسی میں شریک کرلیتا ہے۔تو دراصل وہ اس زمانے کی معاشرت کو ہدف طنز بنا رہا ہوتا ہے۔اس زاویے سے دیکھا جائے تو خوبی کا کردار بڑا خیال انگیز اور دلچسپ نظر آتا ہے۔ گویا سرشارؔ نے کرداروں کے ذریعے ایک ایسا آئینہ پیش کیا ہے جس میں سارا ماحول اور زمانہ جیتا جاگتا، چلتا پھرتا اور روتا ہنستا اپنے پورے تناظر کے ساتھ عکس ریز ہے۔فسانہ آزاد کے کردار خوبی کے بارے میں سلیم اختر لکھتے ہیں:

> ''یہ سرشار کے قلم کا اعجاز ہے کہ لاپروائی سے لکھنے پر بھی اردو کو ایک ایسی تصنیف دی جس کا اسلوب اپنی انفرادیت کے لحاظ سے نمایاں تر حیثیت رکھتا ہے۔خوجی کی صورت میں ایک ایسا کردار تخلیق کیا جس کی فطرت کی کجی اور مزاج کی ناہمواری اس عہد کے زوال پذیر لکھنو کی علامت بن گئی۔اس کی شیخی اس کی لکڑی کی تلوار اور اس کی ہیئت کذائی پر جہاں ہنسی آتی ہے وہاں ایک خاص عہد اور تہذیب کے نقوش بھی ابھرتے ہیں۔''(4)

سرشارؔ کا زمانہ اس طرح کا تھا کہ ہندوستانی معاشرت تیزی سے تبدیل میں رہی تھی اور فسانہ آزاد کے کردار ''آزاد'' ہر جگہ تبدیلیوں کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرنے کو تیار ہیں۔آزاد کا مزاج باوجود بڑی خامیوں کے ایک ایسا مزاج ہے جیسا کہ ہر اس فرد کا ہونا چاہیے جو زندگی کو ہنسی خوشی اور انسانیت کے ساتھ بسر کرنا چاہتا ہے۔ سرشارؔ نے اس قصے میں لکھنوی معاشرت کے مد و جزر کے حوالے سے اپنے مشاہدات کو قلمبند کیا ہے۔ لکھنؤ چونکہ اودھ کا صدر مقام تھا اور مغل حکمرانوں کے دور میں شمالی ہند میں لکھنؤ نے مغل تہذیب و ثقافت کے تاریخی مرکز کی حیثیت سے شہرت پائی۔

ہندوستان کی تاریخی اور ثقافتی تاریخ میں لکھنؤ کو مرکزیت حاصل رہی ہے۔ اس لیے سرشارؔ کے اس ناول میں لکھنؤ کی تاریخی و ثقافتی دور کی جھلکیاں ملتی ہیں۔اس ناول میں شرر نے جس منفرد و مختلف انداز میں لکھنوی تہذیب و معاشرت کی خاکہ کشی کی ہے وہ ہر دو اعتبار سے قابل ستائش ہے۔وہاں کے ذرے ذرے اور چپے چپے کو انھوں نے اپنی قلمی قوت سے گویا گیا ہے۔

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

سرشار کی اصل عظمت و شہرت اسی بات میں مضمر ہے کہ انھوں نے لکھنوی تہذیب و معاشرت کو جیتے جاگتے انداز میں رقم کیا ہے۔ فنی نقطہ نظر سے اگر یہ ناول کئی خامیوں کا حامل ہے۔ پلاٹ کی بے ترتیبی، قصے کی طوالت، کرداروں کی بھرمار، قصوں کی بہتات، نقطہ نظر کا فقدان وغیرہ اس قصے کو بہ طور ناول فن کی کسوٹی پر پورا اترنے کی راہ میں حائل ہیں لیکن اس سب کے باوجود "فسانہ آزاد" نے سرشار کو ادبی حلقوں میں زندہ و جاوید کر دیا ہے۔

جس دور میں یہ ناول لکھا گیا وہ دور ہندوستان کے بالعموم اور لکھنو معاشرت کے بالخصوص انحطاط کا دور ہے۔ جس میں لکھنوی تہذیب و ثقافت کی شکستہ و ریخت اقدار و روایات کا دم توڑنا، رسوم و رواج کی فرسودگی نے انسانوں کے اندر اضطراب اور سماجی حالات کو ابتر کر دیا تھا۔ یہی وہ دور تھا جس میں مغلیہ سلطنت کے خاتمے کے بعد انگریزی اقتدار مستحکم ہو رہا تھا اور انگریز اپنی تہذیب و ثقافت اور اپنے قوانین کے نفاذ میں طاقت سے کام لے رہے تھے۔ دوسری طرف ہندوستان کی محکوم عوام غربت، بے روزگاری، جہالت، بدامنی، اخلاقی دیوالیہ پن، پرانی تہذیب کی دلدادہ اور نئی تہذیب کو شک اور سازش کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔ ناول ''فسانہ آزاد'' میں مصنف نے لکھنو کی سماجی زندگی کے مختلف حصوں کی ترجمانی کر کے بہترین مصوری کی ہے۔ ایک ایسی تہذیب و معاشرت جو کہ ہندوستانی سماج کا مختصر حصہ ہونے کے باوجود لکھنوی تہذیب کے مسلم طبقہ کی معاشرتی نمائندگی کرتا ہے کی جھلک پیش کی ہے۔ دراصل لکھنو کا اسلامی دربار ہندوستان کے بیشتر درباروں میں سے ایک تھا۔ گو کہ اس کی تعمیر دلی دربار کے کھنڈرات سے کی گئی تھی، ظاہری شان و شوکت کو آراستہ کیا گیا پھر بھی لکھنوی زندگی خراماں خراماں گزر رہی تھی۔ سلطنت اودھ کی سیاسی حالت خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو ان کا دارالخلافہ کل ہندوستان کی توجہ کا مرکز تھا۔ ہر طرف ہن برس رہا تھا۔ عیش و عشرت کا دور دورہ تھا، گھر گھر زندہ دلی کا راج تھا۔ جبکہ رقص و سرود کی محفلیں گرم تھیں۔ مرد بانکے تھے اور عورتیں طرح دار تھیں۔

زوال دہلی کے بعد جب سلطنت اودھ کو بامِ عروج نصیب ہوا تو یہاں کی تہذیب روز بہ روز انحطاط پذیری کا شکار ہوئی کہ یہاں عیش و عشرت کے تمام مواقع میسر تھے۔ نہ صرف طبقہ روسا اس رنگینی اور عیش و عشرت میں مبتلا تھا بلکہ عام رعایا بھی اس میں برابر کے شریک ہوئے۔ یہ تمام حالات جو اگرچہ ایک طرف اپنی انحطاطی اور زوال پذیری کا کھلا اظہار تھے لیکن دوسری

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

طرف یہ اپنے اندر ایسی مقناطیسی کشش بھی رکھتے تھے کہ ہر ایک اس کا دیوانہ ہو جاتا تھا۔ سرشار نے ناول ''فسانہ آزاد'' میں اسی تہذیب و معاشرت کے دونوں طرفوں سے پردہ اٹھایا ہے اور اس تہذیب و معاشرت کے کھرے کھوٹے کو آئینہ کر دیا ہے۔ تبسم کاشمیری لکھتے ہے ہیں:

> ''ان کے سماجی وجود کی ساری توانائی زائل ہو چکی ہے۔ وہ اس مکمل طور پر استعمال کردہ وجود کو بچانے کی رائیگاں اور بے سود کوشش میں مصروف رہتے تھے جن روایات اور اقدار نے ان کے سماجی وجود کو زوال میں مبتلا کر دیا ہے۔ انھی روایات اور اقدار کو اپنا ثقافتی اثاثہ سمجھتے ہیں اور انھیں رد کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔ اس لیے یہی ثقافتی اثاثہ ان کے وجود کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔''(5)

''فسانہ آزاد'' سرشار کا وہ کارنامہ ہے جو انھیں ہر دور اور ہر زمانے میں نئی زندگی جینے کی ضمانت فراہم کرتا ہے کہ اس میں موصوف نے ایک مخصوص خطے جو تمام ملک ہندوستان کے لیے باعث کشش تھا میں زندگی گزار رہے تمام طبقات کو ایک دوسرے سے گھل مل کر اور ایک دوسرے کے شانہ بشانہ پھرتے دکھایا ہے۔ جہاں بیگمات اور رنڈیاں قدم سے قدم ملا کر چلتی ہیں۔ جو تشی اور نجومی مارے مارے پھرتے ہیں اور ٹھیلے اور تانگے پر بیٹھے مسافر ایک دوسرے سے گفت و شنید کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ اس ناول میں ایک ایسی دنیا رقصاں ہے جو تہذیبی طور پر اونگھتی ہوئی دنیا ہے۔ اس ناول کا مقبول عام کردار ''آزاد'' ایک رند منش، سیلانی اور حد درجہ عاشق مزاج ہے جو ہر ایک صحبت میں اپنی شمولیت یقینی بنانے میں ماہر ہے۔ - جھوٹ بولنا، فریب دینا، بھپتی کسنا ، بے مثل مقرر ہونے کے علاوہ جنگ و جدل کے تمام گروں سے واقفیت رکھتا ہے۔ ''آزاد'' ایک بیاہی مگر تعلیم یافتہ حسن آرا پر فریفتہ ہو کر اس کے حکم کی تعمیل میں روس و روم کی جنگ میں بھی شرکت کرتا ہے۔ وہاں سے ایک فاتح کی صورت میں لوٹنے پر حسن آرا سے شادی کرتا ہے۔ اسی واقعے کے ارد گرد قلم کار نے اس ناول کی بنت کاری کی ہے۔ اس کے پس منظر و پیش منظر میں مصنف نے دراصل لکھنؤ کی لٹتی اور مٹتی ہوئی تہذیب کے تمام تر پہلوؤں کو قارئین کے سامنے رکھ دیا ہے۔

''آزاد'' کی صورت میں سرشار دراصل ایک ایسے زوال آمادہ معاشرے کے فرد کو سامنے لایا ہے جو تہذیبی اعتبار سے پستی کی آخری حدوں کو پہنچ چکا ہے، جس کے افراد ان تمام تہذیبی و اخلاقی اقدار سے روگردانی اختیار کر گئے ہیں جو کسی بھی قوم کے مہذبانہ پن کی مثال ہوتے ہیں۔ میاں آزاد جو کہ حسن آرا کے عشق میں مبتلا ہے امن و سکون کی تلاش میں مختلف محفلوں میں

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

شریک ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اسے کہیں سکون کے دو پل نصیب نہیں ہوتے ہیں۔ وہ ایک طرح کے ذہنی کرب اور انتشار اور اضطراب میں مبتلا ہے۔ آزاد کی اسی کے چینی و بدامنی کی جھلک مصنف ایک جگہ یوں پیش کرتے ہیں:

> ''تڑکا ہوتے ہی میاں آزاد کا بھور ہو گیا، جان سنسانے لگی۔ وعدہ کی یاد دل دکھانے لگی۔ بدن پر لرزہ سا چڑھ گیا۔ آنکھیں پر غم ہو گئیں، دل بھر آیا۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ لطف صحبت کر کرا ہو گیا۔ اب نہ وہ رنگ ہے نہ وہ ترنگ ہے۔ وہ جوش و خروش اور نہ وہ امنگ ہے۔ مست بھنگ، عقل دنگ، پائے خرد لنگ، کیسا ناچ کیا رنگ۔ میاں آزاد اٹھے اور وہاں سے پریشان نادم و پشیمان بادل سرد و پر درد چلے۔''(6)

''آزاد'' کے مزاج میں جو کرب، اضطراب، بدامنی و بے چینی اور ایک باطنی کشمکش ہے، دراصل وہ لکھنوی سماج کے ہر ایک فرد کے اندر کا اضطراب ہے جس نے تہذیبی و ثقافتی اقدار کی شکست و ریخت کا اظہار ہے جو اس معاشرت کے انحطاط کا سبب بنے۔ کوئی بھی تخلیق کار اپنی فطرت میں نہایت حساس ہوتا ہے۔ ہر فن کار اپنے گرد و پیش اور ماحول و تہذیب میں پنپ رہے تمام نامساعد مسائل و معاملات کو اپنے مشاہدے کے ذریعے اس طرح پیش کرتا ہے کہ قارئین بھی ان حقائق و واقعات سے اسی طرح متاثر ہوں جس طرح فن کار بذات خود ان حقائق واقعات سے متاثر ہوتا ہے۔ سرشار کے ناول ''فسانہ آزاد'' سے متعلق بیشتر ناقدین ادب یہ اعتراض کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اس میں زیادہ تر مخرب الاخلاق واقعات اور پر تصنع لب و لہجے سے کام کیا گیا ہے جو کسی بھی طرح قارئین کے لیے تعمیری نہیں ہوتی نہیں ہو سکتے، لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ موصوف نے جس معاشرے اور اس کے افراد کی نقاب کشائی کی ہے وہ کسی حد تک مکر و فریب میں مبتلا تھے۔

اس ناول، مصنف کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ وہ دکھا سکیں کہ جب ایک انسان اپنی اصل سے دوری اختیار کرتا ہے اور قدرت کے متعین کردہ اصولوں سے انحراف کرتا ہے تو پھر وہ تہذیب و شائستگی کے دائرے سے نکل کر فحاشی اور پھکڑ پن کے راستے پر گامزن ہوتا ہے اور اس صورت میں سماج ترقی کے بجائے تنزل کا شکار ہو جاتا ہے۔ مجموعی طور پر سرشار نے ''فسانہ آزاد'' میں لکھنوی معاشرت کے جو نقشے پیش ہیں کیے ہے ہیں ان میں بڑی توانائی اور تنوع ہے۔ اس کام کی وہ کیفیت ہے جو ہماری نگاہوں کے سامنے اس دور کے لکھنؤ کی پوری فضا اور ماحول کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ وہ پورا ماحول جو لکھنؤ کے نوابی دور اور سائنسی دور اور نئی تہذیب کے عہد کی یادگار ہے۔ اپنی تمام کرشمہ سازیوں کے ساتھ ہماری نگاہوں کے سامنے رقص کرنے لگتا

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ہے۔ان کے کرداروں کی بھی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ وہ اس معاشرے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ سرشار کے اس ناول میں بہت سے کردار ہیں۔ان کے طبقے الگ نظر آتے ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ محفلوں اور جلسوں میں ہی نہیں، چالوں اور کیمپوں میں بھی دکھائی پڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو اس ناول میں اپنائیت بے تکلفی اور لگاؤ ملتا ہے وہ اس ناول کی وقعت اور تاثیر بڑھانے کا سبب بنتا ہے۔

مجموعی طور پر ناول ''فسانہ آزاد'' کا جائزہ اس حقیقت کا غماض ہے کہ لکھنوی تہذیب و ثقافت جو کہ ہندوستان کی نمائندہ تہذیبوں میں سے ایک تھی ۔جہاں نوابوں نے ایسے کلچر اور مخلوط ثقافت کو فروغ دیا کہ جو ایک طویل عرصے تک اپنی انفرادیت قائم رکھتا ہے وہ انگریزی اقتدار کے ساتھ ہی روبہ زوال ہو جاتا ہے۔ تہذیب و ثقافت کی اقدار و روایات دم توڑ جاتی ہیں۔ نئی تہذیب نے پرانی تہذیب کے پروردہ معاشرے کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ زرعی دور جب صنعتی اور سائنسی دور میں داخل ہوا تو اس کے اپنے تقاضے تھے مگر لکھنؤ کے امرا اور روسائے تہذیب کا سامنا کرنے کی بجائے اس سے آنکھیں کترا رہے تھے ۔جس کے نتیجے میں ایک سماجی کشمکش نے جنم لیا اور معاشرتی انحطاط اور پھکڑ پن جو اس معاشرے کی خوشحالی سمجھا جا رہا تھا۔ وہ در حقیقت اس معاشرے کا نقطہ زوال تھا۔''فسانہ آزاد'' میں سرشارؔ نے لکھنوی معاشرت کی عکاسی کرتے ہوئے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کسی طرح لکھنؤ کے زوال آمادہ معاشرے کا تار و پود بکھر رہا تھا۔ وہ اس مٹتے ہوئے معاشرے کی بکھرتی ہوئی تہذیبی و ثقافتی قدروں کو محفوظ کرنا چاہتے تھے۔اس لیے زندگی کے ہنگاموں کو کہانی میں سمو کر اپنے ناول کے کینوس کو مزید وسعت عطا کی ہے۔ناول میں لکھنؤ کی سماجی زندگی سے وابستہ تمام طبقات موجود ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ رام بابو سکسینہ، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، مترجم، مرزا محمد عسکری، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 0 200ء، ص477

2 ۔ ایضاً ، ص478

3 ۔ خواجہ محمد زکریا، مختصر تاریخ ادبیاتِ مسلمانان پاکستان و ہند، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، 2017ء، ص458

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

4 ۔ سلیم اختر،ڈاکٹر،اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،2013ء،ص402

5۔ تبسم کاشمیری ،فسانہ آزاد:ایک تنقیدی جائزہ،الہ آباد:اردو رائٹرس گلڈ،1980ء،ص24

6۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار،فسانہ آزاد،نئی دہلی:مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،1983ء، ص 167